بسم اللہ الرحمن الرحیم

القرآن

چور کی سزا

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ سزا ہے اُن کے عمل کی اور عبرت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اور جو کوئی اس گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے، تو اللہ اسے معاف کردے گا، یقینا اللہ بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے۔
(المائدہ ۳۸-۳۹)

الحدیث

چور کی سفارش

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مخزومی عورت کے چوری کرنے کی وجہ سے قریشی پریشان ہوگئے۔ انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنا کر بھیجا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کہا: ”تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟...... پھر فرمایا اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“ (بخاری)

خواتین کے دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا:

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ جس شخص کے لیے ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جائے، اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمادیتے ہیں؟ اِس کلمے کی خصوصیت کیا ہے؟ (ام محمد۔ کبیروالا)

جواب: یہ حدیث نہیں، اس لیے اس عمل کو مسنون یا مستحب سمجھنا جائز نہیں، لیکن کلمۂ طیبہ کا پڑھنا محبوب اور مستحسن عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اس کے ایصال ثواب کے نتیجے میں میت کی مغفرت فرمادیں۔ اس عظیم الشان کلمے کی خصوصیت یہ ہے کہ:

۱ اسے صدقِ دل سے پڑھنے والے پر جہنم کی آگ حرام ہوجاتی ہے۔
۲ اسے پڑھنے والے کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے اور جہنم سے نجات کا پروانہ مل جاتا ہے۔
۳ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جو مسلمان کلمہ پڑھ لے، جنت اس پر واجب ہوگئی۔
۴ جس نے دل سے کلمہ پڑھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ٹھہرا۔
۵ کلمۂ طیبہ کا کثرت سے پڑھنا ایمان کی تجدید اور پختگی کا ذریعہ ہے۔
۶ کلمۂ طیبہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ورد ہے۔
۷ کلمۂ طیبہ کا پڑھنا افضل ترین ذکر ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

۱ انی لاعلم کلمة لایقولھا عبد حقا من قبله فیموت علی ذلک الا حرم علی النار لا اله الا اللہ! (حاکم)
۲ من قال لا اله الا اللہ او جب اللہ له بھا الجنة و اعتقه بھا من النار۔ (احمد۔ ابن حبان)
۳ من کان آخر کلامه لا اله الا اللہ وجبت له الجنة (احمد۔ ابوداؤد)
۴ اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامة من قال لا اله الا اللہ خالصاً من قبله او نفسه۔ (بخاری)
۵ قیل یا رسول اللہ: و کیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا اله الا اللہ (احمد۔ طبرانی)
۶ قال موسیٰ یارب علمنی شیئا اذکرک به و ادعوک به قال قل لا اله الا اللہ! الحدیث (ابن حبان، حاکم)
۷ افضل الذکر لا اله الا اللہ و افضل الدعاء الحمد للہ! (ابن ماجه، ابن حبان، حاکم)

اور ان کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں، لہٰذا اگر ۷۰ ہزار بار کلمۂ طیبہ پڑھ کر کسی زندہ یا مردہ مسلمان کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ اس کی بخشش ہوجائے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی امامت اصحاب ظواہر کے ہاں بھی مسلم ہے، نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ ستر ہزار بار کلمہ پڑھنے کا عمل حدیث نہیں، لیکن اس کا ایصالِ ثواب میت کے لیے نافع ہے۔ (مجموع الفتاویٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیة الحرانی رحمہ اللہ ۲۴ / ۱۴۳)

ساس و داماد باہم محرم ہیں:

سوال: ساس اور داماد آپس میں محرم ہیں یا نامحرم؟ اگر داماد محرم ہے تو کیا اپنی بیوی کے انتقال کے بعد بھی محرم ہی رہے گا یا نامحرم بن جائے گا؟ (اہلیہ داؤد اقبال۔ کراچی)

جواب: ساس اور داماد ایک دوسرے کے حق میں محرم ہیں اور یہ حرمت ابدی ہے۔ بیوی کے انتقال کے بعد بھی داماد محرم ہی رہے گا۔ لما قال تعالیٰ: حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم... و امھات نسائکم الآیة (۴/ ۲۳)

☆☆☆

اگرچہ ذرا پرانی ہے!

آئینہ گفتار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کسی خاص نمبر یا سالنامے کی اشاعت کے بعد گفتار کے آئینے میں پیش ہونا اب ذرا مشکل لگتا ہے۔

ایک طرف اگر قارئین یہ توقع کر رہے ہوتے ہیں کہ خاص شمارے کے بعد پہلی بار جب مدیر بھائی روبرو ہوں گے تو خاص نمبر کے تاثرات ہی پر بات ہوگی۔

تو دوسری طرف ہم سوچ رہے ہوتے ہیں کہ بات تو وہی برسوں پرانی اور خوشی تو وہی جانی پہچانی ہے، سو اِس بار اس کا کس نئے اور انوکھے پیرائے میں اظہار کیا جائے؟

کئی برس ہوئے، اللہ میاں کی مہربانی اور قارئین کی کرم فرمائی سے سال میں کم از کم دو بار ایسے مواقع آتے ہیں، جب بحیثیت مدیر ہمیں ایک بڑی خوشی میسر آتی ہے اور چونکہ اس خوشی پر اکیلے مدیر کی تو اجارہ داری ہوتی نہیں، بلکہ قارئین کا بھی اس پر مکمل حق ہوتا ہے، اِس لیے انھیں بھی اِس انمول خوشی میں شریک کرنا لازم ٹھہرتا ہے، لیکن بات پھر وہی ہے کہ ایک سے پیرایۂ اظہار سے نہ لکھاری کے جذبۂ اظہار کو تسکین ملتی ہے اور نہ قاری تک جذبے کی پوری شدت پہنچتی ہے۔

جی ہاں! بات چاہے ایک ہی ہو، مگر اُس کا بیان پیرایہ بدل بدل کر ہو تبھی وہ ہر بار نئی لگتی اور جچتی ہے۔

جیسے پھول چاہے ایک گلاب ہی ہو، مگر اُس کے تیکھے نقوش پر، اس کے شوخ رنگوں پر، اس کی جانفزا مہک پر، اس کی پتیوں کے گداز اور اُن کی منفرد تراش خراش پر ہر بار نئے پیرائے سے قصیدہ پڑھا جائے تبھی کانوں کو بھلا لگتا ہے، ورنہ طبیعت اوب سی جاتی ہے۔

ناظر کی نگاہ میں بیزاری یکسانی منظر سے پیدا ہوتی ہے، پھر چاہے کیسا ہی عالم میں انتخاب خوبصورت منظر ہو۔

اسی لیے طبیعت میں نشاط کے لیے منظر کی اور اظہاریے کی رنگا رنگی بہت ضروری ہے۔

مگر اظہار کی یہ رنگا رنگی بھلا ہر ایرے غیرے کے نصیب میں کہاں، یہ تو اللہ میاں کی دین ہے، جسے چاہیں دے دیں۔

خیر اظہار کی طاقت نہ ہونہ سہی، مبارک بادیوں کے مبارک سلسلے مگر ایسے نہیں کہ انھیں نظر انداز کیا جائے۔ ۱۸ جولائی بروز پیر کی صبح ہی سے جو تہنیتی پیغامات آنا شروع ہوئے تھے تو ان کا سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔

تفصیل سے تو بہنیں اپنے تبصروں میں لکھیں گی، قصہ مختصر یہ ہے کہ خواتین کا اسلام کا اَلف نمبر بھی پسند کیا گیا ہے اور بے پناہ پسند کیا گیا ہے۔ بے شک اِس کی ضخامت بچوں کا اسلام کے اَلف نمبر جتنی نہیں تھی، مگر اب تک جو تاثرات ملے ہیں، وہ بتا رہے ہیں کہ ٹکر پھر بھی برابر کی رہی۔

یعنی مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا ہے!

ایسا نہیں ہے کہ تنقیدی نگاہیں نہیں ڈالی گئی ہیں۔ جی نہیں! تمام تر کوشش کے باوجود ہم سے بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں جو ہر بشری کام کا گویا لازمہ ہیں۔

اس کے علاوہ ہر قاری کا ذوق الگ ہے تو ہر ایک کی پسند بھی الگ ہے، جو تبصروں کے آئینے میں آپ کو بخوبی نظر آئے گی۔

ویسے اب تک آنے والے تبصروں کی رُو سے، وہ تحریریں جو سب سے زیادہ پسند کی گئیں، گویا دل کی آنکھوں سے پڑھی گئی ہیں، اُن میں سرفہرست محترمہ آپا سلمٰی یاسمین نجمی کا ناولٹ ''اجنبی'' رہا ہے۔ اس ناولٹ نے بلا مبالغہ ہر آنکھ کو نم کیا ہے، خود ہماری آنکھوں کو بھی!

بعد ازاں باجی عامرہ کا انٹرویو پڑھا گیا، بے پناہ پسند کیا گیا اور شیئر کیا گیا ہے۔ مزید کچھ اور تحریریں بھی بہت پسند کی گئی ہیں، ان کے نام بھی آپ کو تبصروں میں ملیں گے۔

اچھا ایک درخواست یہ ہے کہ ابھی تک پہلے شمارے ہی پر تبصرے زیادہ آئے ہیں۔ بہنوں سے درخواست ہے کہ ضمیموں کو ملا کر الف نمبر کو مکمل پڑھیے اور پھر تبصرہ لکھیے۔

چلتے چلتے ایک شعر ذرا سے تصرف کے ساتھ پیش ہے ؎

جو آپ ساتھ نہ ہوتے تو گل کبھی کھلتے؟
یہی ہے بات اگرچہ ذرا پرانی ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو سلامت رکھے، خوش وخرم رکھے اور اپنے اپنے پیاروں کے ساتھ جنت الفردوس کے دسترخوان پر ہم سب کو جمع فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

والسلام مدیر مسئول محمد فیصل شہزاد

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1200 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

''عفاف! میں یہ تمہاری وائٹ میکسی پہن لوں آج؟''
مریم نے اس کی وارڈروب کھنگالتے ہوئے پوچھا۔
''کون سی؟''
سر کا مساج کرتی اس کی انگلیاں تھم گئیں۔
''یہ والی'' اس نے سفید رنگ پر سنہری رنگ کے دبکے کے کام والی نفیس سی میکسی اس کے آگے لہرائی۔
''یہ......! نہیں بھئی یہ تو میں چھوٹے ماموں کی شادی پر پہنوں گی۔''
''پلیز دے دو ناں! بس تھوڑی دیر کے لیے......میں آتے ہی فوراً اتار دوں گی!''
''مریم! یہ بہت ہلکے رنگ کی ہے......اس پر ایک بھی داغ لگا تو بہت برا لگے گا۔ تم میری سیاہ فراک پہن لو! اس کے ساتھ میچنگ کی جیولری بھی ہے......!''
''رہنے دو! کوئی ضرورت نہیں، اپنے پاس رکھو!''
مریم غصے سے اٹھ کر جانے لگی۔
''اچھا بھئی، ناراض تو نہ ہو! پہن لو، مگر خیال رکھنا۔'' وہ لجاجت سے بولی۔
''عجیب وہمی ہو بھئی!'' بڑبڑاتے ہوئے مریم منہ پھلائے میکسی لے کر نکل گئی۔
عفاف نے پھر سے تیل کی شیشی اٹھالی۔

☆......☆

''ارے واہ! آج یہ ہمارے گھر کا راستہ کیسے بھول بیٹھی تم......!'' اپنی کلاس فیلو ردا کو دروازے پر دیکھ کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔
''ہم نے اب اسی محلے میں گھر لے لیا ہے یہ دو گلیاں چھوڑ کر تیسری گلی کا پہلا گھر ہمارا ہے۔''
ردا نے بتایا تو وہ مزید خوش ہوگئی۔
ردا امی سے باتوں میں مگن ہوئی تو وہ جلدی سے اٹھ کر باہر آگئی۔
''سرمد! جاؤ بھاگ کے سموسے لے کر آؤ'' اس نے سو روپے سرمد کو دیے اور خود چائے بنانے لگی، جب تک اس نے ٹرے میں بسکٹ، نمکو وغیرہ نکالے، سموسے بھی آگئے۔ سموسے الگ ڈش میں سلیقے سے رکھ کر اس نے چائے کپوں میں ڈالی اور ڈش بنا کر لان میں لے آئی۔

گرما گرم بھاپ اڑاتے سموسے، لاچی والی خوشبودار چائے نے خوشگوار موسم کا لطف دوبالا کر دیا۔ ہلکی پھلکی بونداباندی شروع ہوئی تو خوش گپیوں میں مصروف ردا چونکی۔

کٹھن

''اوہ! بارش تیز نہ ہو جائے کہیں۔ میں اب چلتی ہوں اور عفاف! سبز رنگ کے گیٹ والا گھر ہے ہمارا، آنٹی آپ بھی آیئے گا۔''
''ہاں بیٹا! کیوں نہیں، ضرور آئیں گے......امی کو سلام کہنا۔''
''ارے ردا کل تو ہمارا انگریزی کا ٹیسٹ بھی ہے۔''
عفاف کو اچانک سے یاد آیا۔
''اوہ!'' ردا گھبرا گئی۔ ''میں تو انگلش کی کتاب ہی کل کلاس میں بھول گئی تھی، ٹیسٹ کا تو مجھے یاد بھی نہیں تھا۔'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے پریشانی سے بولی۔
''ایسا کرتے ہیں مل کر یاد کر لیتے ہیں۔''
عفاف نے جھٹ سے مشورہ دیا۔
''نہیں بھئی، ابو ناراض ہوں گے...... بھائی ابھی لینے آجائے گا مجھے۔ پلیز عفاف تم اپنی کتاب دے دو، میں رات تک واپس بھیج دوں گی۔''
''پھر میں کیسے یاد کروں گی؟''
''میرا بھائی رات کو تمھیں کتاب دے جائے گا، پکا وعدہ میں بھیج دوں گی!''
''اچھا ٹھیک ہے۔'' اور پھر رات دس بج گئے مگر کتاب نہ آنی تھی نہ آئی۔
''کیا بات ہے......؟'' امی نے اس کو بے چینی سے چکر لگاتے دیکھا تو پوچھ بیٹھیں۔
''امی! پلیز سرمد کو کہیں ناں کہ ردا کے گھر سے کتاب لے آئے۔'' وہ رو دی۔

''ارے پاگل! یہ کوئی رونے والی بات ہے......
امی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ رات کے دس بج رہے ہیں۔ تمھارے ابو اب سرمد کو جانے دیں گے کیا؟ چلو شاباش اب سو جاؤ! صبح نماز کے فوراً بعد میں سرمد کو بھیج دوں گی، تب یاد کر لینا۔''
''امی! مجھے نیند نہیں آئے گی۔''
سوں سوں کرتے ہوئے اس نے کہا۔
اور صبح فجر کے بعد سرمد گیا تو آدھے گھنٹے بعد پسینہ پسینہ واپس آیا۔
خالی ہاتھ اسے آتا دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی۔
''نہیں ملا گھر!'' سرمد نے ہاتھ جھاڑے اور وہ آنسو پیتی اسکول کی تیاری میں لگ گئی۔
''یہ لو بھئی اپنی کتاب!'' ردا نے گویا اس پر احسان کرتے ہوئے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔

بنت درخواستی ۔ خان پور

عفاف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کوئی شرمندگی نہیں، کوئی ملال نہیں......!
''یاد کر لیا تھا تم نے ٹیسٹ؟''
غصہ پی کر وہ آرام سے اس سے پوچھ رہی تھی۔
''کہاں یار! کل تائی والے آگئے تھے، ذرا ہلہ گلہ رہا۔ پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔''
''کیا......؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
''پھر تم نے کتاب میرے پاس کیوں نہیں بھیجی؟'' مٹھیاں بھینچتی وہ ضبط کی انتہا پر تھی۔
''اوف یار! تم تو پیچھے ہی پڑ جاتی ہو...... بتایا تو ہے کہ مہمان تھے گھر میں۔''
پیر پٹختی ردا چلی گئی اور عفاف سر پکڑ کر رہ گئی۔

☆......☆

''عفاف! ہزار روپے ہیں تمھارے پاس......!''
سرمد نے پوچھا۔
''ہیں تو سہی، لیکن مجھے خود بھی کچھ کام ہے۔''
''اچھا ابھی تو دو! میں دو تین دن تک تمھیں واپس کر دوں گا۔''
''کہاں سے آئیں گے تمھارے پاس؟''

’’کہہ رہا ہوں ناں دے دوں گا تو بس دے دوں گا جہاں سے بھی آئیں تمھیں اس سے کیا۔‘‘

وہ بدتمیزی سے بولا۔

اس نے ایک پل اسے دیکھا پھر اٹھ گئی۔

’’یہ لو مگر مجھے تین دن تک لازمی چاہیے۔‘‘

اس نے ہزار کا کڑکڑاتا نوٹ اس کے ہاتھ پر دھرا۔

لینے کو سر مدلے تو بیٹھا مگر اب پھر ہفتہ گزر گیا مانگتے مانگتے ،حسب توقع پیسے نہیں ملے۔

واقعی آج کل الٹا قرضہ دینے والا بے چارہ مصیبت میں پڑ جاتا ہے! وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆......☆

’’بھیا یہ کتابیں منگوا دیں۔‘‘

اس نے دو ہزار روپے اور ایک فہرست بھیا کے ہاتھ میں تھمائی۔

’’ارے چھوڑو بھئی! کیا کرو گی کتابیں پڑھ کر......!‘‘

کتابوں اور مطالعے سے الرجک بھیا نے سرسری سی نگاہ فہرست پر ڈال کر کہا۔

’’بھیا پلیز!‘‘ جھٹ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

’’اچھا دیکھتے ہیں۔‘‘

بھیا نے جان چھڑانے والے انداز سے کہا، پیسے اور فہرست جیب میں ٹھونسی اور موبائل پر مصروف ہو گئے۔

چند دن بعد اس نے پوچھا تو ’’کچھ مصروفیت ہے‘‘ بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئے اور گلک میں پیسے جمع کر کر کے رکھتی اس کتابوں کی دیوانی لڑکی کا دل ٹوٹ سا گیا۔

☆......☆

’’کون سا رسالہ پڑھ رہی ہو تم؟‘‘

صدف نے کہتے ہوئے رسالہ اس سے چھین لیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

’’یہ کہانی اچھی لگ رہی ہے، بہت، اوہ مگر یہ تو قسط وار ہے۔‘‘

اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

’’عفاف! یہ رسالہ تو تم نے باقاعدہ لگوایا ہوا ہے ناں، پھر اس کی پچھلی قسطیں بھی تو ہوں گی تمھارے پاس؟‘‘

عفاف نے آہستگی سے سر ہلایا۔

’’ہاں ہوں گی پر ڈھونڈنی پڑیں گی، یہ رسالہ تو دو، میں کہانی پڑھ رہی تھی۔‘‘
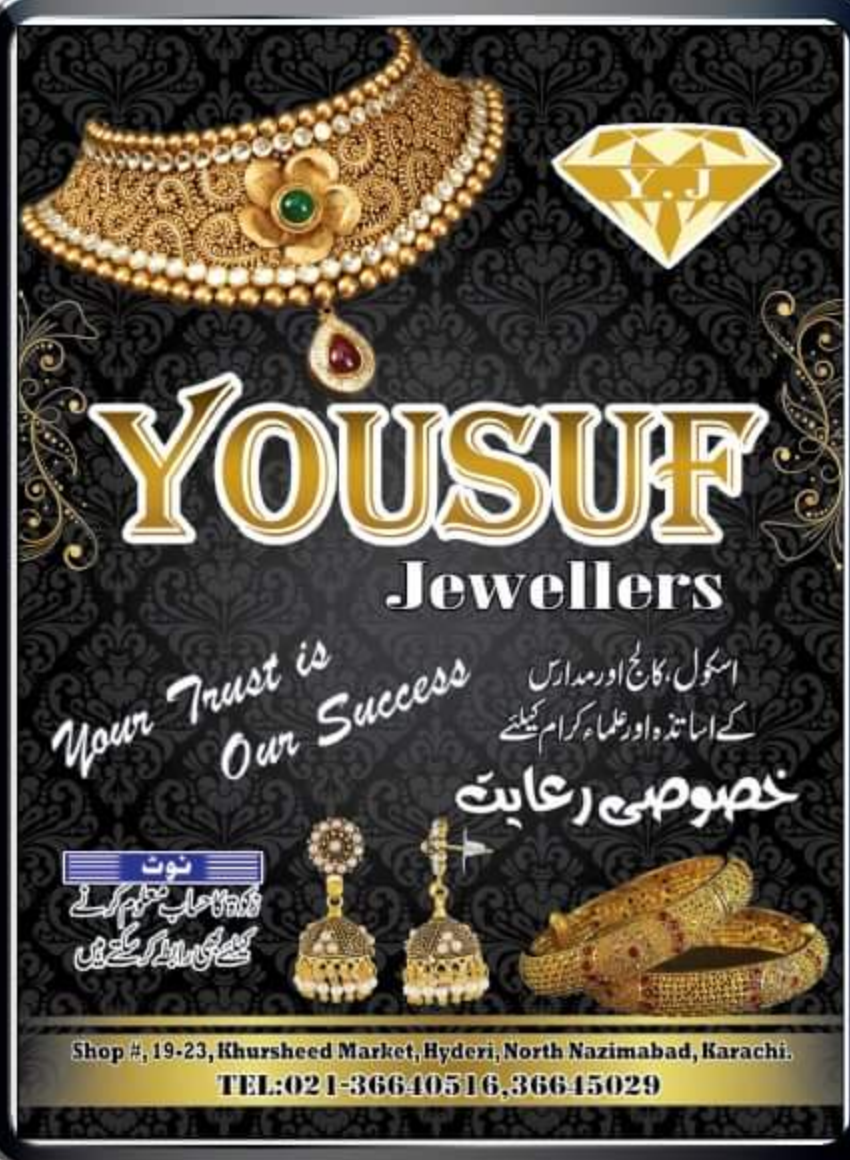
’’نہیں پہلے تم مجھے اس کی پچھلی قسطیں ڈھونڈ کے دو۔‘‘

صدف نے مزے سے ہاتھ جھلاتے ہوئے کہا۔

’’اف!‘‘ وہ غصے سے پیر پٹختی لائبریری کی طرف بڑھ گئی۔

’’یہ لو‘‘ اس نے اس کہانی کی پہلی قسط والا رسالہ ڈھونڈ کر اسے دیا اور بولی:

’’اب لاؤ ادھر میرا رسالہ!‘‘ قدرے خفگی سے اس نے کہا۔

’’ارے یہ کیا صرف ایک قسط، بھئی ایسے مزہ نہیں آئے گا، ساری چاہییں مجھے۔‘‘

’’پہلے یہ تو پڑھ لو!‘‘ وہ جھلا اٹھی۔

’’سہیلی نہیں ہو کیا میری پیاری کزن!‘‘ اب وہ مکھن لگانے پر اتر آئی تھی۔

’’لو خود ہی ڈھونڈ لو۔‘‘

اس نے بہت سارے پرانے رسالے اس کے آگے دھرے۔

’’عفاف میں یہ لے کر جا رہی ہوں۔‘‘

اس نے ان میں سے آٹھ دس رسالے الگ کیے اور لے کے جانے لگی۔

’’ارے ارے رکو بھئی، بات سنو!‘‘ عفاف بوکھلا اٹھی۔

’’کیا ہوا......؟‘‘

’’بھئی تم ادھر ہی بیٹھ کے پڑھ لو ناں......!‘‘

’’کیوں......؟‘‘

’’عفان اور گڑیا پھاڑ نہ دیں کہیں؟‘‘

اس نے اس کے چھوٹے بہن بھائی کا نام لیا۔

’’نہیں پھاڑیں گے بھئی، میں اونچی جگہ پر رکھوں گی جہاں ان کا ہاتھ نہیں پہنچے گا۔‘‘

اچھا پھر ابھی ایک دو لے جاؤ، پہلے وہ پڑھ کر واپس کرنا پھر دوسرے لے جانا!‘‘

اسے دیے اپنے پچھلے رسالوں کا حشر اسے اچھی طرح یاد تھا۔

’’ناں بابا ناں! میں ایک ہی بار پڑھ کے سارے بھیج دوں گی اکٹھے۔‘‘

’’کب تک......؟‘‘ وہ جیسے ہار مان کے بولی۔

''ہمم......اگلے اتوار کو...... پکا وعدہ۔''
پھر اتوار آ کے خاموشی سے گزر بھی گیا اور رسالے واپس نہ آئے، یہاں تک کے اگلا اتوار بھی آ پہنچا۔
اس نے صدف کو میسج کیا۔بھئی رسالے پڑھ لیے ہیں تو بھجوادو! مگر کوئی جواب نہ ملا۔
اگلے دن اس نے بڑی مشکل سے منتیں کر کر کے سرمد کو اس کے گھر بھیجا۔
''صدف آپی کہہ رہی ہیں، میں رسالے کھا تو نہیں جاؤں گی، اتنی کھڑوس کیوں ہے تمہاری آپی......!''
سرمد نے اطلاع دی۔
وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔ پھر رسالے نہ ملنا تھے، نہ ملے۔ برسوں سے سنبھال سنبھال کر ترتیب سے رکھنے کی اس کی ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا۔

☆......☆

''امی میرا نیا جوتا پتا نہیں کدھر گیا؟ کل میں نے الماری کے نیچے رکھا تھا خود...... اب مل کے نہیں دے رہا۔''
چھوٹے ماموں کی شادی پر جانے کے لیے سب تیار ہو رہے تھے۔ ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی۔
''بھئی میں نے تو نہیں دیکھا......مریم کے کمرے میں دیکھو!''
''مریم! میرا نیا جوتا دیکھا ہے تم نے؟''
''نہیں تو......اوہ......!''
روانی میں انکار کرتے کرتے اچانک وہ پرسوچ انداز میں بولی۔
واپس پلٹتی عفاف ٹھٹک کر رک گئی اور مریم کو حیرانی سے دیکھنے لگی، جو دانتوں سے لب کچل رہی تھی۔
''وہ سفید رنگ والا......؟''
''ہاں ہاں وہی نیا جو میں پرسوں لے کر آئی تھی۔
وہ تو......وہ ناں کل نمرہ آئی تھی......''
اس نے اپنی دوست کا نام لیا۔
''پھر......؟ وہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔
''وہ اس کی کزن کی شادی تھی کل۔''
مریم اٹک اٹک کے بول رہی تھی۔
''پھر تم نے میرا جوتا اٹھا کے دے دیا......؟''
زہرخند لہجے میں وہ پھنکاری۔

''اچھا ایک بات تو بتاؤ!'' گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے خود پر قابو کرنا چاہا، مگر بی پی تو ہائی ہو چکا تھا۔
''وہ سہیلی تمھاری ہے یا میری؟ اور اس نے جوتا تم سے مانگا تھا یا مجھ سے؟ بتاؤ مجھے!''
مارے غصے کے کپکپاتے لبوں سے، مٹھیاں بھینچتی وہ دھاڑ اٹھی......
''میرا جوتا میچ نہیں تھا اس کے کپڑوں سے......''
مریم منمنائی۔
''پھر تم نے کس سے پوچھ کر میرا جوتا اسے دیا؟ پوچھا تھا مجھ سے؟ آئندہ اگر میری اجازت کے بغیر کوئی چیز میری تم نے خود اٹھائی یا کسی اور کو دی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا یاد رکھنا!'' چبا چبا کر اس نے کہا تھا۔
''کیا شور ہے! پورے گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے!''
امی غصے سے بولیں۔
''اس سے پوچھیں۔'' مریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے آنکھیں نکالیں۔
اور مریم نے روتے ہوئے امی کو سارا ماجرا سنا دیا۔
''اف! میں سمجھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟ عفاف! چھوٹی چھوٹی بات پر ہائپر ہونے لگتی ہو۔کیا بنے گا تمھارا؟''
''چھوٹی بات!''
اس نے بے یقینی سے نگاہیں اٹھا کر امی کو دیکھا۔
''اب میں کیا پہن کے جاؤں گی شادی میں؟''
اس نے پیر پٹخے۔
''عید والی سینڈل پہن لو ناں......اب جلدی کرو! اور پہلے جا کے کپڑے تو بدلو، پہلے جوتے کی لگ گئی ہے۔کون سا سوٹ پہن رہی ہو؟'' امی نے پوچھا۔
''وائٹ میکسی!''
''اور امی عید والی سینڈل بھی یہ محترمہ توڑ چکی ہیں میرا۔گاؤں پہن کے گئی تھیں۔''
امی نے مریم کو غصے سے دیکھا، پھر عفاف سے بولیں:
''اچھا جاؤ شاباش تم کپڑے بدلو! میں دیکھتی ہوں کوئی سینڈل!''
عفاف سر ہلاتی باہر نکل گئی۔
''امی......!'' عفاف کی زوردار چیخ سن کر جوتا اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا ہوا......وہ ہولا کے رہ گئیں۔
ادھر آئیں......اس کی روتی آواز سن کر انھوں نے ہاتھ جھاڑے اور اس کے کمرے کی طرف چل دیں۔
''یہ دیکھیں......''اس نے میکسی ان کے آگے لہرائی۔
''کیا ہوا؟'' کہتے کہتے ان کا منہ کھل گیا۔ میکسی کے دامن پر جابجا چاکلیٹ اور کریم کے دھبے تھے۔
کس نے کیا یہ! یہ نئی میکسی نہیں ہے تمہاری...... کب پہنی تھی تم نے......؟
آپ کی لاڈلی کے کام ہیں یہ۔ دوست کی سالگرہ میں پہن کے گئی تھی موصوفہ! میں بھی حیران کہ کیسے شرافت سے خود ہی الماری میں لٹکا گئی۔ اتنی تمیز نہیں ہے اسے کہ دوسرے کی چیز کا کس طرح خیال رکھنا ہے؟ پھر کم از کم مجھے بتا تو دیتی...... میں دھو لیتی...... بلکہ میں کیوں؟......خراب اس نے کی تو دھو کے رکھنی چاہیے تھی اسے......اگر مجھے وہم ہوتا ہے اور میں اتنی ہی وہمی اور کھڑوس ہوں بقول آپ کے بھی امی جی!......تو بتائیے کہ میرے وہم کو حقیقت کا روپ کون دیتا ہے......وہی ناں جو مجھے وہمی کہتے نہیں تھکتے۔''
سسک سسک کر وہ رو دی۔
''جائیے آپ سب! مجھے اکیلا چھوڑ دیں......نہیں جانا مجھے کہیں......''
اچھا میرا بچہ چپ ہو جا! میں کان کھینچتی ہوں مریم کے۔''امی نے اسے گلے لگا کر کہا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆

''اتنا وہم نہ کیا کرو!''
''عجیب وہمی ہو بھئی!''
''کھڑوس کہیں کی!''
''کیا بنے گا تمھارا!''
کھڑوس! کھڑوس! کھڑوس!
ہتھوڑے کی مانند ٹھک ٹھک کر کے یہ الفاظ اس کا دماغ پھاڑے دے رہے تھے۔
اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور پھٹتے سر سے اٹھتی ٹیسوں سے بے بس ہو کر وہ 'کھڑوس' لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

بنت الاسلام

سہارا

34

ایک مومنہ کی کہانی
اس کا آشیانہ
تنکا تنکا بکھر گیا تھا

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میرا کبھی اسمگلنگ سے تعلق رہا ہے اور نہ کسی قسم کی اخلاقی بدکرداری سے، لیکن مخالفین کے پاس جو دلائل ہیں وہ بظاہر اتنے مضبوط ہیں کہ اسی فیصد امکان اس بات کا ہے کہ وہ عدالت میں اپنے الزامات کو صحیح ثابت کروانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر جو شخص واقعی اپنے عہدے سے غلط کام بھی لیتا رہا ہو اور رشوت خوری کا مرتکب بھی رہا ہو، اس کے خلاف چند اور الزامات ثابت کروا لینے میں ایسی مشکل بھی کیا ہے۔ اگر معاملہ یہیں تک رہتا کہ مجھے برطرف کر دیا جاتا تو بھی خیر تھی، لیکن اب تو امکان اس بات کا بھی موجود ہے کہ برطرفی کے علاوہ کوئی مزید سزا بھی ہو۔ میرے تعلقات بڑے بااثر لوگوں سے ہیں مگر معاملہ ایسے مخالفین سے آن پڑا ہے جو ان سے بھی زیادہ بااثر ہیں۔ تم پچھلے کئی ہفتے میری پریشانی کا مطلب غلط سمجھتی رہی ہو۔ میں تو اس لیے پریشان تھا اور ہوں کہ جس عزت کو بنانے کے لیے میں نے دن رات ایک کیے رکھے اور جسمانی مشقت کے علاوہ روح کو بھی داؤ پر لگا دیا، وہ عزت اب عین چوراہے پر برباد ہونے والی ہے۔

تم جانتی ہو کہ ہمارے عوام اور ہمارے پریس کو تو اچھالنے کے لیے کوئی بات چاہیے۔ میں سوچتا ہوں کہ آئندہ چند ماہ میں جو کچھ تم سنو گی اور جو کچھ تم اخبارات میں پڑھو گی، اسے آخر تم کس طرح برداشت کرو گی؟ جب میں اس بات کو سوچتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب میرے حواس میرے میرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

میں نے تمھیں یہ خط دو باتوں کے لیے لکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ میں تمھارے سامنے اپنی صفائی پیش کروں۔ منیرہ! میں خدا کی قسم کھا کر تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میری ان خرابیوں کے علاوہ جو تمھیں معلوم ہی ہیں، میں نے وہ خرابیاں بالکل نہیں کیں جو میری طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اگر ساری دنیا بھی ان باتوں پر یقین کرے تو کم از کم تم نہ کرنا، کیونکہ میں ویسا نہیں ہوں۔ دوسرا میں چاہتا تھا کہ میں آنے والے طوفان کے لیے تمھیں ذہنی طور پر تیار کر دوں تاکہ وہ تم پر اچانک نہ آ ٹوٹے۔

مجھے اپنے مستقبل کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ تمھارے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ تم بچوں کو لے کر اپنے والدین کے پاس بیٹھی رہو۔ جو کچھ بھی میرے امکان میں تھا، میں کر چکا ہوں اور کرتا رہوں گا تاہم حالات ایسے ہیں کہ کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔

آج میں جب اپنے ہی اعمال کے لائے ہوئے بدبختی کے چکر میں گھرا ہوا ہوں، تمھاری ایک ایک بات کو یاد کرتا ہوں اور اس غافل، خطا پسند دل پر تعجب کرتا ہوں کہ اس نے اس وقت ان باتوں کا مفہوم کیوں نہ سمجھا، جب اس مفہوم کا سمجھا جانا مفید ہو سکتا تھا۔ تم ٹھیک کہتی تھیں کہ مجھے خدا نے وہ تمام وسائل دے رکھے تھے جن سے کام لے کر میں ایک اچھی بھلی خوش حال، عزت والی زندگی بسر کر سکتا تھا تو پھر مجھے کیا ہوا کہ میں سانپوں سے کھیلنے لگا۔ حالانکہ اُن سے ڈسے جانے کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ یہ احساس مجھے ناگ بن کر ڈستا ہے کہ میں نے اپنی غلط روش کے باعث اپنے ساتھ ساتھ تم چاروں کو بھی برباد کیا۔

میرے سینے میں باتوں کا ایک طوفان ہے جسے میں اندر ہی دبا دینا چاہتا ہوں۔ میں آخر اس طوفان میں سے کیا تمھیں بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ ایک لمحہ مجھ پر ایسا آتا ہے کہ ندامت اور شرمندگی کی انتہا کے باعث میں خود اپنے آپ کو اپنی نگاہوں سے چھپانے کی کوشش کرنے لگتا ہوں اور دوسرا لمحہ ایسا آتا ہے کہ میں بالکل بے حس ہو چکا ہوتا ہوں اور میرے دل میں ایک خواہش اٹھ کھڑی ہوتی ہے کہ ساری دنیا اکٹھی ہو کر آ جائے اور آ کر میری رسوائی کا تماشا دیکھے۔

منیرہ! تم خدا سے اتنی دعا ضرور مانگنا کہ میرے حواس ٹھیک رہیں۔ میری زندگی کی کہانی بڑی لمبی ہے۔ اب جب تم مجھ سے دور ہو اور پتا نہیں کب تک دور رہو گی، میرے دل میں بے پناہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں تمھیں اس کہانی کا ایک ایک باب اور ایک ایک فصل تفصیل سے سناؤں۔ یہ وہی باب اور وہی فصلیں ہیں جنھیں میں ہمیشہ تم سے چھپانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ میری نادانی کی انتہا تھی۔

دل میں جو نشتر صبح و شام چبھتے رہتے ہیں اُن میں اُس نشتر کی اذیت سب سے زیادہ ہے کہ آئندہ چند ماہ کے بعد تم مجھے کس حیثیت سے یاد کرو گی۔ کیا تمھارا ذہن ایک سزا یافتہ انسان کو شوہر کی حیثیت سے قبول کر لے گا؟ کیا تم میرے بچوں سے یہ چھپانے کی خاطر کہ ان کا باپ جیل میں ہے، انھیں یہ یقین دلا دو گی کہ ان کا باپ مر گیا ہے؟ کیا کچھ عرصے کے بعد اگر میں اپنے اعمال کی سزا بھگت کر پھر اس قابل ہو گیا کہ اپنے اجڑے ہوئے آشیانے کے تنکے چن چن کر پھر اسے گھروندے کی شکل دے سکوں تو کیا صرف اس بنا پر تم میرے ساتھ رہنے سے انکار تو نہیں کرو گی کہ اب بچوں کو یہ کیسے بتایا جائے کہ تمھارا باپ مرا نہیں تھا، زندہ تھا۔ تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کس قسم کی بیوی ہو؟ آیا ان میں سے جو خاوندوں کے گناہوں کو کسی صورت بھی معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتیں یا اُن میں سے جو انھیں انسان سمجھتے ہوئے ان کی خطاؤں سے چشم پوشی بھی کر جاتی ہیں؟ میں درحقیقت یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں کہ مشکلات اور رسوائیوں کی جو گھاٹی میرے سامنے کھڑی ہے، اسے عبور کر لینے کے بعد بھی میرا کوئی مستقبل ہے یا نہیں۔ کہیں میرا گھر اور میرا کنبہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھن گیا؟'' (جاری ہے)

دل بہلانے کو!

عائشہ تنویر

"کہا بھی تھا نرم ہاتھوں سے میرے کپڑے دھونا مگر تم نے تو ساس کے کپڑوں کو ہی ساس سمجھ کر دل کی حسرتیں نکالنا شروع کر دیں، لے کے سارا دوپٹا پھاڑ دیا میرا۔"

ساس اماں اپنے دوپٹے کی کھرونچ دکھاتے ہوئے آگ بگولا ہو رہی تھیں۔

اس نے آگے بڑھ کر دوپٹا دیکھا، پھر قدرے لاپروائی سے کہا:

"اتنا گھسا ہوا دوپٹہ تھا اماں! اسے پھٹنا ہی تھا۔"

"گھسی ہوئی ہوں گی تمھاری چیزیں، میرے جہیز کا دوپٹا تھا۔ خود ہمارے اپنے کھیتوں کی کپاس سے بنوایا تھا میرے ابا جان نے۔ تمھارے جہیز کی بازاری چیزوں جیسا ناکارہ نہ تھا۔"

اُن کا غم کم نہ ہو رہا تھا اور وہ تفصیل سن کر منہ کھولے کھڑی تھی۔

"جہیز کا! پھر تو اسے کئی سال پہلے ہی پھٹ جانا چاہیے تھا۔ یہ تیس، چالیس سال کے بچے مجھے بری میں ملے تھے۔ نجانے اب تک یہ کیسے سلامت تھا؟ اب یہ سانحہ میرے ہاتھوں ہونا ہی قسمت میں لکھا تھا تو میں کیا کروں۔"

بہو بیگم نے حیرت کا بھرپور اظہار کیا۔

اس انداز پر ساس امی کا دل جل گیا۔

"قسمت کا ہی تو کھیل ہے، جو میں تمھیں بہو بنا لائی۔ کیسے منہ بھر بھر میرے بچوں کی عمریں گن رہی ہو۔ دیکھنے میں بڑے لگتے ہیں ورنہ تم سے تو چھوٹے ہی ہوں گے۔ بس میں نے ہی سب کو کم عمری میں بیاہ دیا۔ میری تو اپنی بارہ سال میں شادی ہو گئی تھی، چالیس کی تو میں ہوں گی۔"

ساس امی کی مبالغہ آرائی پر بہورانی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کچھ تو خدا کا خوف کریں اماں! دس سال تو میری شادی کو ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ کون سا غیر تھے جو میں کچھ جانتی نہیں ہوں گی۔ پرانی محلے داری ہے، اِن سے پورے دس سال چھوٹی ہوں میں۔"

اپنی عمر کے معاملے میں گڑبڑ بہو کو پسند نہ آئی، سولحوں میں حساب سامنے لا دھرا۔

اب کی بار ساس امی یکدم گڑبڑا گئیں۔ کچھ نہ سوجھا تو بات بدل کر دوسری طرف لے گئیں۔

"آنے دو آج میرے بیٹے کو بتاتی ہوں میں، غضب خدا کا، مجھے خوف خدا کے طعنے دے رہی ہو۔ میں نے کون سے ظلم ڈھائے ہیں تم پر؟ شکر کرو میری جیسی ساس ملی ہے۔"

"آپ جیسی ساس کے ملنے پر شکر نہیں، صبر کرتے ہیں۔"

بہو نے سلگایا تو اُن کا پارہ یکدم چڑھ گیا۔

"ارے فضول بولتی چلی جا رہی ہو۔ تمھیں تو صبح شام شکرانے کے نوافل پڑھنے چاہییں، کیسا اچھا گھر ملا ہے۔ جو ملغوبہ بنا کر دو، چپ کر کے کھا لیتے ہیں۔ ملتی نا کوئی تیز طرار ساس تو سب سے پہلے تمھاری یہ زبان کاٹتی اور......"

جذباتیت میں بلند آواز میں بولنے پر وہ ایک دم ہانپ گئی تھیں۔

بہو نے لپک کر پانی کا گلاس پکڑایا۔ آرام سے پانی پلایا، کمر سہلائی، جب اماں کی سانس نارمل ہو گئی تو پیچھے ہٹتے ہوئے نوک جھونک کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

"اب کھانے کی بات تو مت کریں اماں! میکرونی پر ساگ ڈال کر کھائیں گی یا کھیر پر رائتہ تو اُس میں میرا کیا قصور۔ میں تو آپ کے سامنے بولتی بھی صرف اِس لیے ہوں کہ امی نے کہا تھا سسرال کے رنگ میں رنگ جانا۔ اب سسرال ہی ایسا تیکھا ملا ہے تو......"

دل جلانے والے جملے جلتی پر تیل چھڑک رہے تھے۔

ایک گلاس پانی سے یہ آگ بجھنے والی نہ تھی۔ تب ہی ساس اماں پھر میدان میں آگئیں۔

"اگر ہم بولتے ہیں تو اچھا کرتے ہیں نا، تمھارے میکے والوں کی طرح گھنے میسنے لوگ نہیں ہیں۔ نہ پتا چلے کس بات پر خوش اور کس پر غصہ۔ دل کی دل میں ہی رکھے جاؤ اور جہاں تک کھانے کی بات ہے، اگر ساگ اچھا بنا ہو تو ہر چیز کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔ تم تو ہمیں اپنے میکے والوں جیسا بنانا چاہتی ہو، جو ابلی گھاس سامنے رکھ دو، ہم منہ بند کر کے کھا لیں۔ نہ ہری پیاز کا بگھار نہ لہسن کی خوشبو۔"

"منہ بند کر کے کیسے کوئی کھا سکتا ہے اماں! اور یہ اب میرے میکے والوں کی جان چھوڑ دیں، وہ یہ گھاس اوہ مطلب ساگ نہیں کھاتے۔ یہ میں نے یہیں آ کر دیکھا ہے۔ مرغی کے پنجوں سے لے کر چولائی کے ساگ تک، حتیٰ کہ وہ اوجھڑی بھی اُف، آپ لوگ تو سبھی کچھ کھا لیتے ہیں۔ اللہ کے بندو! کچھ کھانے دوسری مخلوق کے لیے بھی چھوڑ دو۔"

بہو کی تیزی سے چلتی زبان قینچی کو مات دے رہی تھی۔

"اوجھڑی تو ہمارے خاندان میں کبھی کسی نے نہیں کھائی، تمھارا میاں ہی کھاتا ہے۔ میرے بچے کی ساری عادتیں بگاڑ دیں۔"

اماں نے حسب عادت سارا ملبہ بہو پر گرا دیا۔

"جیسے مجھے شوق ہے نا یہ فضول ڈش پکانے کا، بتاؤں گی آج میں انھیں کہ اماں آپ کو کیا کہہ رہی تھیں۔" بہو کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو پسپا ہو کر جوابی دھمکیاں دینے لگی۔

"یاد ہے نا! شادی کے شروع سالوں میں ہی کیا کہا تھا منے نے؟ ہماری لڑائیوں کی ذرا بھی اسے بھنک پڑی تو خود دوسری شادی کر کے الگ گھر میں چلا جائے گا۔ پھر لڑتی رہنا مجھ سے۔"

ساس امی کامیاب معرکہ مارنے پر بہت خوش تھیں، مگر بہو نے بھی ہار نہیں مانی تھی۔

"آپ کو بھی یاد ہے، ابو جی نے کیا کہا تھا؟ اگر آپ کے منے نے دوسری شادی کا سوچا تو پہلا حق باپ کا ہے۔ پہلے وہ دوسری شادی کریں گے، پھر منے کی کروائیں گے۔"

بہو کو سسر کا اپنے حق میں بلند کیا کلمۂ حق آج بھی یاد تھا۔ یہی تو وجہ تھی جو سارا دن نوک جھونک میں گزارتے شام ہوتے ہی وہ آئیڈیل ساس بہو بن جاتی تھیں۔ اپنے طور پر اس کِل کِل کی بھنک بھی انھیں نہیں پڑنے دیتی تھیں۔ وہ دونوں بھی ذہنی سکون کے لیے جان کر انجان بن جاتے۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور باپ بیٹا اندر داخل ہوئے۔

"السلام علیکم بھئی کیا گفت و شنید ہو رہی ہے ماں بیٹی میں۔"

مون سون بارشوں میں محتاط رہیں!

ثوبیہ عامر

اِن دنوں مون سون عروج پر ہے اور ایسے موسم میں نمی اور حبس بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، جس کی وجہ سے انواع واقسام کے کیڑے مکوڑے اور طرح طرح کے رینگنے والے حشرات الارض اپنے بلوں سے باہر آجاتے ہیں۔ ایسے میں چند احتیاطی تدابیر کی اشد ضرورت ہے تاکہ ناگہانی تکلیف سے اللہ کی مدد کے ساتھ بچا جاسکے۔

1 کپڑے اور جوتے ہمیشہ جھاڑ کر پہنیں۔ کپڑوں کو تین مرتبہ جھاڑ کر پہننے کی ہدایت پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔
2 اپنے دھلے یا میلے کپڑوں کو غسل خانوں میں مت لٹکائیں۔
3 میلے کپڑوں کی باسکٹ یا ٹب بھی غسل خانوں میں نہ رکھیں اور اگر رکھنا ہی ہو تو کوشش کریں کہ یہ ڈھکن والے ہوں۔
4 گھر کی صفائی ستھرائی کی چیزیں جیسے جھاڑو یا فرش اور صفائی والا کپڑا جھاڑ کر استعمال کریں۔
5 گیراج، صحن یا کوریڈور میں پڑی چیزوں کو دیکھ بھال کے اٹھائیں۔
6 ننگے پاؤں نہ پھریں۔
7 گھر میں موجود ڈرینیج اور پائپوں کے منہ کو اچھی طرح باریک جالیوں سے بند کریں۔
8 باورچی خانے میں کوئی بھی چیز ڈھکے بغیر نہ رکھیں، خاص طور پر رات کے وقت۔
9 پانی کے برتنوں اور کھانے پینے والی چیزوں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔
10 رات کے وقت کوئی بھی کھانے کی چیز کو فرش پر پڑا نہ رہنے دیں۔
11 اگر گھر کے صحن، گیراج، چھت یا کسی اور جگہ اینٹیں روڑے پتھر وغیرہ پڑے ہیں اور انھیں ہٹانا ہو تو بہت دھیان سے ہٹائیں، کیونکہ ایسی جگہیں حشرات الارض کو بہت پسند ہوتی ہیں۔
12 ایک بڑی بوتل میں کیڑے مار دوا کا مکسچر تیار رکھیں اور بوقتِ ضرورت چھڑک دیں۔ بوتل کے اوپر اسپرے والی نوزل لگالیں جو کہ بازار سے آسانی مل جاتی ہے۔ اس بوتل کے اوپر کاغذ پر لکھ کر چپکا دیں کہ اِس میں کیا ہے اور بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔
13 گھر کے کونوں کھدروں اور صوفوں بیڈز وغیرہ کے نیچے دھیان سے صفائی کریں۔
14 پانی یا کوئی بھی کھانے پینے والی چیز کو دیکھے بغیر مت استعمال کریں۔
15 گھر میں موجود الماریوں کے پٹ چیزیں نکالنے یا رکھنے کے بعد کھلے نہ چھوڑیں۔
16 اگر کسی الماری کے خانے میں کپڑے عرصہ دراز سے تہ ہوئے پڑے ہیں تو انھیں احتیاط سے اٹھائیں اور استعمال کریں۔
17 اس کے علاوہ بجلی کی چیزوں کو ننگے پیر، گیلے ہاتھوں اور گیلے کپڑوں کے ساتھ نہ چھوئیں۔
18 اگر پانی کی موٹر صحن میں ہے تو اسے پلاسٹک شیٹ سے ڈھانپ کر رکھیں۔
19 ایسا کوئی بھی سوئچ بورڈ جو ایسی جگہ ہے جہاں بارش کا پانی آتا ہے، اسے لکڑی کی چھڑی سے، خشک جوتے سے، خشک ہاتھوں یا خشک کپڑوں سے چھوئیں۔
20 بچوں سے ہرگز پانی کی موٹر کا یا کوئی بھی سوئچ آن آف نہ کروائیں۔
21 خواتین باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے پھسلن سے اور الیکٹرک مشینیں استعمال کرتے وقت اپنا خاص خیال رکھیں اور بالکل بے احتیاطی نہ کریں۔
22 گیلے فرش پر قدم جما کر اور احتیاط سے چلیں۔
23 بزرگوں کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ ان کے آنے جانے کی جگہ خشک ہو۔ اگر زیادہ ضعیفی ہو تو انھیں چھڑی پکڑ کر چلنے پر اصرار کریں۔
24 گھر میں پالتو جانور ہیں مثلاً باڑے میں مویشی تو ان کے لیے خشک اور صاف جگہ کا بندوبست کریں۔

احتیاط کیجیے، زندگی بہت قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بچوں، ہمارے بزرگوں، ہماری خواتین اور سب چھوٹے بڑوں کو حادثات اور آفات ناگہانی سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین!

ابو نے خوشگواری سے مخاطب کیا۔
”کپڑے دھوتے ہوئے اماں جی کا دوپٹا پھٹ گیا تھا، اُس کی معذرت کررہی تھی۔“
بہو نے لہجے میں زمانے بھر کی شرمساری بھر کر کہا۔
”میں نے کہا، معذرت کی کیا بات ہے؟ چیزیں رشتوں سے بڑھ کر تھوڑی ہیں، پھر ان کا بھی وقت مقرر ہے۔ عمر پوری ہوگئی تھی تو پھٹ گیا۔“
ساس اماں شہد ٹپکاتے لہجے میں بول رہی تھیں۔
بہو پانی لے آئی تھی۔ تُوتُو میں میں ختم ہوگئی تھی۔ اب لاؤنج میں ایک مکمل گھرانے کا خوشگوار منظر نظر آرہا تھا۔☆☆☆

انٹرویو باجی عامرہ احسان مدظلہا

تجربہ ہے کہ مسلمان اس کی زبردست مزاحمت کرتا ہے! کافر کو متوجہ کیا جائے تو ہر سعید روح فوراً ہتھیار ڈال دیتی ہے! قرآن کا یہ اعجاز وہاں مسلسل دیکھا۔ صرف ترجمہ پڑھ کر کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ سو ناظرہ پر اکتفا نہ کرنا چاہیے۔ اللہ کی بات پڑھیے، سنیے!

6

(حیا احمد۔ کراچی)

سوال: بچپن کی ایک شرارت تو ہم سے بانٹیے۔

جواب: بچپن سے قرآن تک رسائی سے پہلے تک شرارت رگ و پے میں تھی۔ ہوسٹل کے دنوں کی ایک بھاری شرارت یاد ہے (ہوسٹل سے باہر ہم سے زیادہ سنجیدہ کوئی نہ ہوگا)۔ ایک لڑکی کو ڈرانا قرار پایا۔ اُس زمانے میں چہرے کے خوفناک ماسک ابھی متعارف نہ ہوئے تھے مگر ہمیں میسر آ گیا۔ سو ایک لڑکی سے کالا برقع مانگا (اس دور میں پوری یونیورسٹی میں پردہ کرنے والی بمشکل دو تین لڑکیاں تھیں)۔ چہرے پر ماسک لگایا۔ ہاتھ میں ڈنڈا پکڑا اور رات کے وقت اُس لڑکی کے کمرے کی کھڑکی کے عین ساتھ جا کر خاموشی سے کھڑی ہوگئی۔ اس نے نگاہ اٹھائی اور چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔ بعد میں معافیاں مانگیں۔ ماسک دکھا کر تسلی کروائی۔ ورنہ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی: ''میں نے خوفناک چہرہ دیکھا ہے۔'' ہوسٹل تھا بھی پہاڑیوں کا پس منظر لیے ویرانے میں! رب اغفر۔

سوال: خواتین اور بچوں کا اسلام کے علاوہ آپ اور کن رسائل میں باقاعدگی سے لکھتی ہیں؟

جواب: ماہنامہ 'عفت' اور ماہنامہ 'نشور' میں لکھتی ہوں۔

(سعدیہ نوید)

سوال: باجی جان! ناولوں کو اکثر دین دار حلقوں میں پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا جبکہ ناول اردو ادب کی قدیم صنف ہیں اور بہت پرانے دور سے ہی ناولوں کے ذریعے دلچسپ طریقے سے لوگوں (خصوصاً خواتین کو) اچھی باتیں سکھانے کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے (جیسے مراۃ العروس ڈپٹی نذیر احمد) پھر بھی ہمارے بڑے ناول پڑھنے پر حوصلہ افزائی نہیں کر رہے ہوتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نسائی ادب کے ناولوں کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ اداس نسلیں، آگ کا دریا، شہاب نامہ، راجہ گدھ، کیا ہر اردو ادب پڑھنے والے کو پڑھنا چاہیے؟

جواب: (۱۔۲) ناولوں کو دیندار حلقوں میں پسند نہ کیا جانا اس اخلاقی، فکری زوال کی بنا پر ہے جو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ مراۃ العروس جیسے تربیتی ناول اب کہاں! اور اگر لکھے بھی جائیں تو انھیں پڑھنے کا ذوق نہیں۔ موجودہ دور میں ناول جنھیں آپ نسائی ادب کے حوالے سے پوچھ رہی ہیں، یہ نئے ادبی رجحانات کے عکاس ہیں۔ طوالت اتنی کہ زندگی کی بیش قیمت گھڑیاں نگل جائیں۔ تجسس اور کم عمری میں دلچسپی پیدا کرنے والے اجزا، جس سے کہ ناول نشہ بن کر حواس پر چھا جائے، اہم ترفرائض ذمے داریاں، مثبت مصروفیات کا وقت باقی نہ رہے۔ چھوٹی عمروں میں کچے ذہنوں پر ایسے ناولوں کا نقش دیرپا ہوتا ہے اور خدانخواستہ غلط رجحانات کی آبیاری کا سبب بن سکتا ہے۔ بے مقصدیت سے بڑا دشمن ایک بامقصد زندگی گزارنے والے فرد کے لیے اور کیا ہوگا؟ اسی لیے آپ کے بڑے ایسے ناولوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ ہزار صفحات اور اسی تناسب سے نہایت مہنگے ناول! بعد ازاں ڈرامے کی صورت میں کالی اسکرینوں میں جیتے جاگتے کردار بن کر اتر آنے والے! ڈاکٹر عافیہ اگر ۱۹ سال سے کفر کی جیل میں پڑی سسک رہی ہے تو آج کا محمد بن قاسم ڈرامے دیکھ رہا ہے، ناول پڑھ رہا ہے۔ یا پھر ماں کی وہ گود جس سے ۱۹۹۵ء میں بھی اگر ایسا بچہ دنیا میں آیا ہوتا تو جوان ہو کر کہیں تو جلوہ گر ہوتا، للکارتا، راہ نکالتا! مگر ناول، ڈرامے، فلمیں، موبائل ہماری نسلیں نگل گئے۔ ڈرامے یا ناول سے جذبہ کشید کرنا بستر پر تیراکی سیکھنے کے مترادف ہے۔ جس سے تیراکی کے اسٹروک تو سب آ جائیں گے مگر پانیوں میں چھلانگ لگا کر ڈوبتے کو بچانے کا حوصلہ کہاں سے آئے گا۔ سو یہ کمرشل ناول، کمرشل ڈرامے ہیں (پیسہ کمانے کے لیے) جن کا اردو ادب یا اخلاقیات والے ادب پر کوئی احسان نہیں۔ کردار سازی سے قاصر، یہ ناول برگر کھاتے، پیپسی پیتے، اے سی والے کمروں میں تفریح طبع کا سامان ہیں اور بس! اس کی نسبت شہاب نامہ (دوسری فہرست میں سے واحد جو میں نے پورا پڑھا!) پختہ ذہن کے لیے سیاست، تاریخ، ادب اور تصوف کا امتزاج ہے۔ اگرچہ ضخیم ہے لیکن بالاقساط آرام آرام سے پڑھا جا سکتا ہے۔ خواتین کا اسلام، بچوں کا اسلام اسی دائرے میں ہلکے پھلکے انداز میں ایک پاکیزہ ادبی تربیتی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ الف نمبر (بچوں کا اسلام) میں اعلیٰ پائے کا ادبی مواد بھی شامل تھا۔ سورۃ العصر کے تناظر میں ہمیں تضیع اوقات سے اور 'ھم عن اللغو معرضون' کی صفت پانے کے لیے بہرصورت وقت 'کاٹنے' والے مشاغل سے بچنا ہوگا۔ کم خرچ بالانشین کے اصول پر ایسے کتب و رسائل کا انتخاب کرنا ہوگا جو کم وقت میں ہمیں پاکیزہ تفریح ادب کے ضمن میں فراہم کریں۔ بتاتی چلوں کہ والدین کے ہاں ادبی کتب و رسائل، ناول بہت آتے رہے۔ رفتہ رفتہ ختم ہوئے۔ تاہم تعلیمی مصروفیات اور طویل پڑھنے سے عدم دلچسپی نے چیدہ چیدہ ہلکے پھلکے تک محدود رکھا۔ سفرنامے نامی گرامی ادیبوں کے جب اٹھائے، آہ بے چارے کے اعصاب پر عورت ہے سوار...... دیکھ کر بدمزہ ہو کر چھوڑ دیے!

سنجیدگی سے سوچیں تو یقیناً کچھ نہ کچھ مثبت تفریح تو چاہیے لیکن گلوبل ولیج میں ہر خطے میں مسلمانوں کا زبوں حال یوں خون کے آنسو رلاتا ہے کہ وہ مظلومیت کے ہاتھوں سسک رہے ہیں یا پھر نوجوان نسل جس سے مداوے کی توقع ہو، یوں رلاتی ہے کہ وہ PSL، منشیات، عشق عاشقی، بے مقصد بے ہدف زندگی گزار رہی ہے، یا سعودی عرب اور امارات کی سرزمین لہو و لعب میں غرقابی کے خوفناک مناظر دکھا رہی ہے۔ ایسے میں بہت سی دردمند، باشعور بچیاں اپنے اوقات ناپ تول کر قرآن فہمی، کردار سازی،

دعوتِ دین، حصول علم میں کھپانے کو بہتر جان رہی ہیں تاکہ آگے جو لامتناہی زندگی ہے، ہم اس کے لائق ہو جائیں۔ رب تعالیٰ اپنی شانِ کریمی سے ہمیں اُن بہاروں میں پہنچا دے۔ وہاں کتابیں، آڈیوز، وڈیوز، نسل در نسل کی سچی کہانیاں، حقیقی افسانے، طربیے، المیے سب محفوظ ہوں گے، ہر ذوق کی آبیاری ہوگی...... **ولھم فیھا مایشاؤن**...... جو چاہیں گے، مانگیں گے سو پائیں گے...... رب کی رضا کے پروانے کے ساتھ دائمی راحتیں چاہتیں سب میسر! فرعون کی غرقابی، نمرود کا انجام، ملکہ سبا...... سو اِس دنیا کے قیمتی اوقات بچا بچا کر رکھیں۔ سیکڑوں گھنٹے عشق عاشقی کے رطب و یابس میں کیونکر برباد کیے جاسکتے ہیں!

(نصرت فداء الرحمن۔ اسکاٹ لینڈ)

سوال: آپ نے اپنے قیامِ مغرب میں اُن کے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ ان کی معاشرتی، اخلاقی، روحانی تنزلی کے بڑے اسباب کیا ہیں؟

جواب: خدا کا انکار، لامذہبیت ام الامراض ہے۔ جب حق اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو سعید روحیں، وعدۂ الست کی بنا پر فوری، پیاسے کی طرح لپکتی ہیں۔ ذاتی مشاہدے میں براہِ راست تین خواتین (دو عیسائی اور ایک یہودی) کا قبولِ اسلام ہے۔ اُن میں سے ایک کا احوال لکھے دیتی ہوں۔ ہمارا مطالعۂ قرآن کا ایک سلسلہ تھا جس میں عرب، ملائیشین اور امریکی مسلمان خواتین و دیگر شریک ہوتی تھیں (کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں)۔ بھرپور محنت سے سب اپنے اپنے طور پر ہفتہ بھر پڑھتیں اور پھر چند آیات کا مطالعہ ہوتا۔ اس کلاس میں ایک امریکی عیسائی لڑکی (سامعہ بن کر) آنے لگی۔ اس کے مصری مسلمان شوہر نے اسے بھیجا تھا کہ وہ خود قرآن پڑھے سمجھے، دعوت قبول کرے اور برضا و رغبت مسلمان ہو۔ وہ آتی رہی۔ ہم نے مطالعے کا رخ اس کی جانب خصوصیت سے نہ پھیرا۔ وہ خاموشی سے اپنے امریکی حال حلیے میں آتی، سنتی اور چلی جاتی۔ (ہم سوائے محبت دینے کے اسے کسی دباؤ میں نہ لانا چاہتے تھے)۔ پھر وہ چلی گئی۔ تاہم زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ وہ آئی، سرتاپا باحجاب، کلمہ پڑھ چکی تھی۔ مجھ سے لپٹی اور کہنے لگی:

''اسلام بہت خوب صورت ہے خود بخود اندر اترنے والا، اس سے مزاحمت ممکن نہیں!''

تجربہ ہے کہ مسلمان اس کی زبردست مزاحمت کرتا ہے! کافر کو متوجہ کیا جائے تو ہر سعید روح فوراً ہتھیار ڈال دیتی ہے! قرآن کا یہ اعجاز وہاں مسلسل دیکھا۔ صرف ترجمہ پڑھ کر کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ سو ناظرہ پر اکتفا نہ کیجیے۔ اللہ کی بات پڑھیے، سنیے۔

سوال: مغرب کے بعد اب پاکستانی معاشرے میں بھی طلاق کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اس کے پیچھے ایک پورا نظام کام کر رہا ہے یا پھر آپ کی رائے میں آج کی عورت ہی بے صبری ہے؟

جواب: وجوہات بہت سی ہیں۔ مرد و زن دونوں ہی کی خطا ہے۔ خاندان بھی حصہ دار بنتے ہیں۔ ڈرامے شیطانی ماحول پیدا کر رہے ہیں۔ اصل دینی تربیت اور اقدار کا فقدان ہے۔ زن کا نازن ہو جانا ہے۔ گھر ہمیشہ عورت کے صبر سے آباد ہوتے ہیں۔ نظامِ تعلیم عورت سے اس کی نسوانیت چھین رہا ہے۔ گھر چلانے کو ایک مکمل مرد اور ایک مکمل عورت درکار ہوتی ہے۔ اُس میں خلل آرہا ہے۔ مرد میں مردانگی اور عورت کی زنانہ صفات، نرمی، رافت، تحمل، ایثار، معاملہ فہمی، صبر اور ضبط (خاموشی) سے گھر بنتا اور پنپتا ہے۔ مرد کی مردانگی میں صرف رعب داب نہیں ہے۔ وہ بھی ضروری ہے، تاہم کشادہ دلی، عالی ظرفی اختیار کرنا، خردہ گیری سے بچنا، حوصلہ افزائی سے بیوی کو اعتماد دینا، رشتوں میں توازن قائم رکھنا، ہر رشتے کو اس کے درست مقام پر رکھنا بھی ہے۔ حکمت اسی کا نام ہے۔ ماں کا حق ماں کو اور بیوی کا حق بیوی کو دینا۔ اللہ کا خوف توازن سکھاتا ہے۔ راقمہ کی کتاب 'میرا گھر' انہی موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ موبائل کا فتنہ اس پر مستزاد ہے۔ شادی کے بعد ٹک کر گھر بسانا اور بھرپور توجہ نئے رشتوں پر دینے کی بجائے میکے کی بے قراری بھی مسئلہ کھڑا کرتی ہے۔ شوہر بے چارے کو خدا خدا کر کے بیوی میسر آتی ہے، وہ کیسے کہے کہ تمھارا جانا مجھ پر شاق ہے۔ انا آڑے آتی ہے! کھچاؤ پیدا ہوتا ہے اس سے۔ بے چارہ داماد مطعون ہوتا، سخت مزاج قرار پاتا ہے! گھر آباد رکھنے میں میکے والوں کا صبر بھی اہم ہوتا ہے۔ پودا جڑوں سمیت اکھیڑ کر نئی جگہ لگایا جاتا ہے۔ اس کی وہیں آبیاری ہو، ورنہ اکھاڑ پچھاڑ سے مرجھا جائے گا۔ یہ کوئی راکٹ سائنس نہیں، سادہ فارمولا ہے! دونوں طرف کشادہ ظرفی، حسنِ ظن درکار ہے! (جاری ہے)

علمی درسگاہوں کی روشنی

آخری قسط

ریحانہ تبسم فاضلی

جب ہم چھٹی کلاس میں پہنچے تو سیتا رام بازار والا بلبلی خانہ کا اسکول جگہ جگہ سے ٹوٹنے لگا۔ حکومت نے ہمیں کوئی دوسری عمارت نہیں دی بلکہ ترکمان گیٹ کے سامنے ایک بڑے پارک میں ٹین کی چادریں لگا کر خیموں والا اسکول بنا دیا۔

پہلے مسلمان لڑکیاں صبح کی شفٹ میں پڑھتی تھیں۔ ہندو اور سکھ لڑکیاں شام کے اسکول میں لیکن خیموں والا اسکول بہت بڑا تھا۔ درمیان میں میدان بھی بہت بڑا تھا، اس لیے اب ہندو اور سکھ لڑکیاں بھی صبح ہی پڑھتی تھیں۔ پہلے ہماری اسمبلی الگ الگ ہوتی تھی لیکن ہیڈ مسٹریس نے سب کی اسمبلی ایک ساتھ کر دی۔ اب قرآن کی تلاوت کے بجائے بھجن گایا جاتا، نعت یا مناجات کے بجائے بھارت کا ترانہ ہوتا۔ ہماری تمام مسلم ٹیچرز خاموش کھڑی رہتی تھیں، اس لیے ہم بھی خاموش کھڑے رہتے تھے۔ نہ بھجن گاتے اور نہ ترانہ پڑھتے۔

ایک دن تمام مسلم ٹیچرز کو ہیڈ مسٹریس نے اپنے پاس بلایا، خاموشی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتا دیا کہ قرآن کی تلاوت، نعت اور مناجات آپ نے بند کرا دیں، اس لیے یہ ہمارا خاموش احتجاج ہے۔ اختری آپا جان، نفیسہ آپا جان، زبیدہ آپا جان اور شہناز آپا جان کی استقامت نے ہماری نورانی اسمبلی اللہ کے کرم سے ہمیں واپس دلا دی۔

☆......دو مہینوں کی چھٹیوں میں میرے ابا جی روزانہ زبیدہ آپا جان کے گھر مجھے چھوڑ کر آتے اور پھر ظہر کی نماز سے پہلے مجھے واپس لے آتے۔ ز

بیدہ آپا جان بیوہ خاتون تھیں، ان کی صرف تین صاحبزادیاں تھیں (جو کالج میں پڑھ رہی تھیں)۔ میرے ابا جی بڑے دور اندیش تھے۔ وہ مجھے اچھے کاموں میں مصروف رکھنا چاہتے تھے۔ یہاں پڑھائی کے ساتھ ساتھ میری تربیت بھی ہو رہی تھی۔ جب ان کی بیٹیاں استری کرتیں تو میں بغور دیکھتی۔ آپا جان جب ہانڈی بناتیں تو میں ہر چیز کو نوٹ کرتی۔

آپا جان انتہائی شفیق، نیک اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود مجھے اپنی تمام شفیق ہستیاں بہت یاد آتی ہیں۔ میری تمام معزز استانیاں، دادا رحمت اللہ، ماسٹر انوار، نانا عبدالسلام نیازی، نانا حافظ رحیم الدین، استادِ محترم مولانا یوسف، اماں جی اور دیگر تمام عزیز، اُن میں سے زیادہ تر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میں آٹھویں کلاس میں تھی، یہ ۱۹۶۴ء کا آخری زمانہ تھا، جب بعض نامساعد حالات کی بنا پر میں اور گھر کے کچھ افراد پاکستان کے شہر کراچی منتقل ہو گئے۔ اس وقت کراچی میں نویں جماعت کے پرائیویٹ امتحانات کے فارم بھرے جا رہے تھے۔ والدہ صاحبہ نے میرا فارم بھی بھر دیا، گو کہ یہاں ذریعۂ تعلیم اردو تھا لیکن الحمدللہ! میں نے اردو کی قابل ٹیچر اختری آپا جان سے پڑھا تھا۔ ماسٹر صاحب نے اردو نظم و نثر پڑھاتے وقت میرے دماغ کو وہ جلا بخشی تھی کہ مجھے کسی استاد کی مدد کے بغیر امتحان دینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔

نویں کا نتیجہ آیا تو میں نے اللہ کے کرم سے سارے پرچے اچھے نمبروں سے پاس کر لیے۔ یہ ۱۹۶۵ء کا ابتدائی زمانہ تھا، جب والدہ صاحبہ نے مجھے پیر الٰہی بخش کالونی کے گورنمنٹ سیکنڈری اسکول میں دسویں جماعت میں داخلہ دلوا دیا۔ میرا دل بلبلی خانہ کی شفیق استانیوں کو ڈھونڈتا تھا۔ میں اپنے شفیق ابا جی کی محنت اور محبت کو تلاش کرتی تھی۔ مجھے اپنی اماں جان کی محبت سے بھری گرم آغوش یاد آتی تھی۔ بہرحال پی آئی بی اسکول کی تین استانیوں میں علمی قابلیت اور محبت و شفقت کا کچھ عکس نظر آیا۔ ایک اسکول کی ہیڈ مسٹریس مس حشمت جو ہمیں انگریزی پڑھاتی تھیں، دوسری اردو کی استانی مسز عبداللطیف، تیسری ہائی جین فزیالوجی اور جنرل سائنس کی مس عاتکہ، باقی تمام استانیاں گزارے لائق تھیں۔

ابھی دسویں کے امتحان بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ چھڑ گئی، جس میں پاکستان کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ اُس زمانے میں ہم نے اپنی استانیوں کے ساتھ مل کر پاک فوج کے لیے جو کام کیے وہ بہت تفصیل طلب ہیں۔ یہاں تو اپنا تعلیمی زمانہ بیان کرنا ہے۔ مس عاتکہ کے اخلاص کا یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر مشکل سوالات کو سمجھانے کے لیے ہمیں شام کی چائے بھی پلاتیں۔ اسی طرح مسز عبداللطیف نے کئی مرتبہ تیاری کے لیے ہمیں اپنے گھر بلایا۔ اگر انگریزی اسباق میں کچھ مشکل پیش آتی تو مس حشمت ہمیں اپنے آفس میں بلا کر سمجھاتیں۔

ایک بار مسز عبداللطیف نے ایک عنوان ''وہ دن جو بیت گئے'' پر طالبات کو مضمون لکھنے کو دیا۔ یہ مضمون ہمیں کلاس میں بیٹھ کر لکھنا تھا۔ زیادہ تر طالبات نے ایک دو صفحے کا مضمون لکھ کر مس کی میز پر رکھ دیا۔ میرا مضمون تقریباً دس صفحات پر مشتمل تھا، اس مضمون میں، میں نے میرؔ، دردؔ اور غالبؔ کے کچھ اشعار بھی لکھے تھے۔ میرا مضمون مس نے پڑھا، مجھے شاباشی دی اور اپنے دستخط کر کے ایک سطر لکھی: ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!''

مس کی دعا اور محبت کو محسوس کر کے مجھے اپنے ابا جی اور اماں جی یاد آ گئے اور میری آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو صرف مس کو نظر آئے۔ انھوں نے مجھے اپنے کندھے سے لگا لیا۔ میری حالت یہ تھی کہ میں سسک سسک کر رو رہی تھی۔

یہ سطور لکھتے وقت بھی میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ وقت کی دھندلی اور دبیز چادر سے بھی مجھے اپنے پیاروں کے نورانی چہرے، بہت واضح نظر آ رہے ہیں۔ میں زندگی کے کسی موڑ پر بھی ان ہستیوں کو نہ بھلا پائی اور نہ ہی بھلا سکوں گی! (ختم شد)

☆☆☆

بچوں کو قضائے حاجت کی تربیت دیں!

نیر تاباں

جب جب ڈائپر چھڑوانے کی بات ہوتی ہے، ماؤں کا سوال ہوتا ہے کہ ڈائپر استعمال نہ کریں تو ہم کیا کریں؟

دیکھیے دو تین چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ چھوٹے ہوتے ہی بچوں کو ٹوائلٹ لے جانے کی عادت ڈالیں۔

اب سوال ہوگا کہ کتنے چھوٹے؟

تو جواب یہ ہے کہ جیسے ہی آپ کی صحت تھوڑی سی بہتر ہو، تب سے۔

جی ہاں! دو تین ہفتے کے بچے سے ہی عادت ڈلوانا شروع کر دیں۔ بچے اپنے تاثرات سے بتا دیتے ہیں، جب بھی انھیں حاجت محسوس ہوتی ہے۔ اب ننھے بچے کے ساتھ اتنے کام ہوتے ہیں کہ اس اضافی کام سے انسان جان چھڑانا چاہتا ہے، لیکن یہ تھوڑے سے دنوں کا اضافی کام آپ کو برسوں کی جھنجھٹ سے آزاد کروا دیتا ہے۔ اور اس کام میں آپ اکیلی نہیں ہیں، اگر آپ نیٹ استعمال کرتی ہیں تو آپ (Elimination Communication) لکھ کر سرچ کریں۔ آپ کو حوصلہ ملے گا کہ ایک آپ ہی نہیں، پوری دنیا میں بے شمار مائیں یہ طریقہ اپناتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں۔ ٹوائلٹ لے جا کر بچے کی پشت اپنے سینے سے لگائیے اور جیسے ہماری مائیں دادیاں کرتی تھیں، سس سس کی آواز نکالیے۔ آپ کو بس یہی کرنا ہے، باقی کام بچے نے کرنا ہے۔

اگر آپ کو یہ سب بہت مشکل لگتا ہے تو کپڑے کے ڈائپر استعمال کریں۔ جاذب کپڑے کے کافی سارے ڈائپرز بنا لیجیے، بنوا لیجیے، یا خرید لیجیے اور ڈسپوزیبل ڈائپرز کے بجائے یہ استعمال کیجیے۔

ڈسپوزیبل ہو یا ری یوز ایبل ڈائپر، بچے کو پہلی فرصت میں اس مصیبت سے آزاد کریں۔ اس قدر گرمی میں جب اپنے باریک کپڑے بھی جسم پر چبھتے ہیں، بچے غریب کو ڈائپر میں ڈالا ہوتا ہے۔ ایک تو غلاظت، اوپر سے گرمی۔ وہ بے چارا کچھ کہہ بھی نہیں سکتا لیکن آپ تو محسوس کر سکتے ہیں ناں اس کی مشکل؟

یاد رکھیے کہ سوا سال، ڈیڑھ سال کا بچہ پاٹی ٹریننگ کے لیے بالکل بھی چھوٹا نہیں ہے۔ ابھی پچھلے ہی سال میں پاکستان گئی تو اپنی ڈیڑھ سالہ بھتیجی کو تین چار دن میں اس حوالے سے تربیت یافتہ کر لیا تھا۔ اپنے بیٹے احمد کو بھی اسی عمر میں تربیت دے دی تھی۔

کرنا کیا ہے؟ ایک تو یہ کہ بچے کو جتنا زیادہ عرصہ ڈائپر میں رکھیں گے، اتنی ہی اس کی عادت پختہ ہو جائے گی، پھر اسے خود بھی ٹوائلٹ جانے کی تکلیف کرنے سے بہتر ڈائپر ہی لگے گا۔ اس لیے پہلی بات یہی کہ بالکل چھوٹے بچے کو تربیت دیں۔ آج کل گرمیوں کا موسم ہے تو یہ بہترین وقت ہے۔

☆ گھر سے چھوٹے قالین کچھ دن ہٹا لیں۔ باقی قالین پر کوئی شیٹ وغیرہ بچھا لیں۔

☆ بچے کو بالکل ڈھیلا پاجامہ پہنائیں تاکہ اگر کچھ ہو جائے تو اسے کراہیت محسوس ہو۔ خود بھی کہیں کہ اوہو! یہ دیکھیں کیا ہو گیا۔

☆ الارم لگا کر رکھیں اور ہر کچھ دیر میں اسے ٹوائلٹ لے جائیں۔

☆ اگر بچہ متذبذب ہے تو اس کا بھالو، گڑیا، کار وغیرہ کو ٹوائلٹ میں "بٹھائیں" اور پھر شاباش بھی دیں کہ کتنی اچھی گڑیا، کتنا اچھا بھالو ہے، ٹوائلٹ جاتا ہے۔

☆ کوشش کرنے کی صورت میں بچے کو شاباش دیں اور خوب پیار کریں۔

☆ بچے کے سامنے باقیوں کو بتائیں بھی کہ میرا بیٹا تو اب بڑا ہو گیا ہے، خود سے ٹوائلٹ بھی جاتا ہے۔

☆ خوبصورت رنگوں یا ڈیزائن والے پاجامے بھی خرید دیں کہ اب ہم گندے ڈائپر کو الوداع کہ گے اور یہ دیکھیں، کتنا پیارا پاجامہ ہے۔

☆ اگر سب کچھ اتنا آئیڈیل نہیں ہو رہا تو بھی بھالو اور گڑیا کو لے جاتے رہیں۔ کہانیاں بھی سنائیں کہ ایک بچہ اتنا اچھا تھا......! اور آگے کہانی بنا لیں۔ اگر بچہ رونا دھونا کرے تو زبردستی نہ کریں۔ کچھ دن کا وقفہ دے کر پھر سے شروع کریں۔ ڈانٹ ڈپٹ کر کے ٹوائلٹ جانے کو ایک جنگ نہ بنا لیں۔ ہماری غلطیوں کی سزا بچے کو نہیں ملنی چاہیے۔

☆ بچے کو روبوٹ نہ سمجھیں کہ اس کی ایک دو سال کی عادت ایک دن میں چھوٹ جائے گی اور وہ دوسرے دن ہی آپ کو بتانے لگے گا کہ مجھے ٹوائلٹ لے جائیں، اور کسی دن بھی پاجامہ گیلا نہیں کرے گا۔ جی نہیں! وہ شاید کچھ عرصہ نہ بتائے تو آپ کو خود ہی خیال رکھنا ہے۔ کبھی نہ کبھی گڑبڑ بھی ہو جائے گی۔ ایسے میں بچے کو ڈانٹیں نہیں۔ بس اسے بتا دیں کہ اوہو، یہ تو ٹانگیں گندی ہو گئیں، پاجامہ خراب ہو گیا۔ آئیں ہم بدل لیں۔ اگلی بار ہم وقت پر ٹوائلٹ جائیں گے۔

☆ یہ تربیت ایسے دنوں میں شروع کریں، جب کم از کم ایک ہفتہ آپ گھر پر ہوں۔ ان دنوں ملنے جانا، شاپنگ کرنا، گھومنا پھرنا نہ ہو۔ ایک بار ڈائپر اتار دیا تو اتار دیا۔

غزل

اثر جونپوری

دل کا خطرہ مولتا رہتا ہوں میں
سب سے ہنستا بولتا رہتا ہوں میں

کر نہیں سکتا مگر پرواز، یوں
پر تو اکثر تولتا رہتا ہوں میں

جن سے کھل جاتی ہیں گرہیں عقل کی
ایسے عقدے کھولتا رہتا ہوں میں

ایک جانب نفس ہے اک سمت روح
دونوں جانب ڈولتا رہتا ہوں میں

آنکھ میں جب تک ہو لوگوں کی طلب
کان میں رس گھولتا رہتا ہوں میں

سنگِ باطل سے نہیں ڈرتا اثرؔ
حق کے موتی رولتا رہتا ہوں میں

بار بار کبھی پہنا کر اور کبھی اتار کر بچے کو کنفیوز نہ کریں۔ بچہ سمجھ نہیں پاتا کہ کب ٹوائلٹ جانا ضروری ہے اور کب ڈائپر پہن کر کام چلانا ہے۔

☆ گھر میں دیورانی، جیٹھانی، نندیں جو بھی ہیں، ان سے مدد لیں۔ ماں کے اتنے کام ہوتے ہیں، ایسے میں اگر وہ یہ مدد کر دیں گی تو بچے کا بھلا ہو جائے گا۔

☆ رات کے وقت ڈائپر چھڑوانے کے لیے بستر پر واٹر پروف شیٹ ڈال لیں۔ سونے سے دو گھنٹے پہلے ہی دودھ، پانی وغیرہ دے دیں تاکہ سونے سے فوراً پہلے یہ نہ دینا پڑے۔ بچے کے سونے کے بعد کوئی چالیس پچاس منٹ بعد باتھ روم لے کر جائیں۔ اس کے بعد ایک دفعہ رات کا الارم لگا لیں۔ پہلے دن کی ''گڑبڑ'' سے آپ کو وقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اگلے دن اُس سے پندرہ بیس منٹ پہلے کا الارم لگا کر رکھیں۔ جاگتے ساتھ ہی بچے کو ٹوائلٹ لے کر جائیں۔

ان گرمیوں میں بچے کو ڈائپر سے آزار کروانے کو اپنا مقصد بنا لیں۔

یہ اتنا مشکل نہیں جتنا سننے میں لگتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کر لیں گی! بس ذرا سی کوشش اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔

ملاحظہ:

یاد رکھیے کہ ڈائپر زمین میں ڈی کمپوز ہونے میں پانچ سو سال لگا دیتے ہیں۔ پوٹی ٹرین ہونے سے پہلے ایک بچہ اوسطاً چار پانچ ہزار ڈائپر اوسطاً استعمال کر لیتا ہے۔ اب آپ کے اگر دو تین بچے ہیں تو خود ہی دیکھ لیں کہ ماحول پر یہ چیز کیا اثر چھوڑ رہی ہے؟ ☆☆☆

نانی امّاں کی پٹاری سے

☆ ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئل پینٹنگ کے اوپر پھیریں، پینٹنگ چمک اٹھے گی۔

☆ سوئچ بورڈ کو چمکانے کے لیے نیل پالش ریموور کو کسی بھی کپڑے یا روئی پر لگا کر صاف کریں تو وہ چمک اٹھے گا۔

☆ ٹوتھ پیسٹ چھالوں پر لگانے سے چھالے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

☆ کپڑے پر اگر سیاہی یا بال پوائنٹ کی لکیریں لگ جائیں تو انھیں اسپرٹ سے صاف کریں۔

حفصہ کریم۔ کراچی

☆ فرش پر اگر پیلے بدنما داغ پڑ جائیں تو پانی میں سرکہ اور سرف ملا کر دھوئیں، فرش جگمگا اٹھے گا۔

☆ میتھی کی کڑواہٹ دور کرنے کے لیے اس میں نمک اور ہلدی مکس کریں کچھ دیر رکھنے کے بعد دھو لیں، کڑواہٹ ختم ہو جائے گی۔

☆ چپاتیوں کو ایک دو دن تک محفوظ رکھنے کے لیے ایئر ٹائٹ جار میں چپاتیوں کے ساتھ تھوڑا سا ادرک بھی رکھیں، چپاتیاں نرم اور تازہ رہیں گی یا پھر چپاتیاں پلاسٹک کی تھیلی میں بند کر کے فریج میں رکھیں۔

☆ ...... اگر چھری کو گرم پانی میں ڈبو کر ڈبل روٹی کو کاٹا جائے تو وہ با آسانی کٹ جائے گی۔

ابھی میں چھوٹی ہی تھی کہ ایک جملہ کانوں میں پڑا: ''دنیا بہت ظالم ہے......!''
ذہن نے فوراً یہ سوچنا شروع کر دیا کہ دنیا کس طرح ظالم ہو سکتی ہے؟
یہ اتنی پیاری تو ہے۔ لہلہاتے کھیت، چہکتی چڑیاں، سرسبز وادیاں اور پہاڑ، غرض ہر طرح سے یہ خوب صورت اور مہربان سی دنیا لگتی ہے۔

جلے دل کے پھپھولے

محمد حُذیفہ اکرام

رفتہ رفتہ یہ عقدہ کھلا کہ ہماری دنیا یہ کھیت کھلیان اور حسین مناظر نہیں، بلکہ وہ ہے جو ہمارے ارد گرد بستی ہے۔ ہمارے اپنے لوگ جب کوئی زیادتی کرتے ہیں تو لوگ بے چاری دنیا کو کوسنے دیتے ہیں کہ دنیا بہت ظالم ہے۔

مگر اس 'شرحِ صدر' کے کئی سال بعد جب ہم یہ سب بھول بھال چکے تھے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو چکے، تو ایک دن اچانک یہی جملہ ہمارے منہ سے ایک سرد آہ کے ساتھ سرزد ہوا اور ہم چونک کر رہ گئے۔

ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا کہ یہ فلسفہ تو پہلے بھی زیرِ غور رہ چکا ہے۔

پھر ہمیں یقین آ گیا کہ واقعی دنیا بہت ظالم، خود غرض، مطلبی اور بے حس ہے۔ آپ بے شک برے برے منہ بنائیں اور کہیں کہ لو بھلا یہ کیا بات ہوئی، اتنے اچھے اچھے لوگ بھی دنیا میں ہوتے ہیں جو دوسروں کا خیال رکھتے ہیں اور ہمدرد و رحم دل ہوتے ہیں۔

آپ کی بات بالکل ٹھیک ہوگی۔ کیونکہ میرا واسطہ جس ظالم دنیا سے پڑا ہے وہ بھی ہمدرد اور رحم دل ہے، مگر اُن کی یہ ہمدردی اور رحم دلی بھی مجھے ظلم لگتی ہے تو میں کیا کروں؟

میری کل دنیا ساس، سسر، چار دیوروں اور تین نندوں پر مشتمل ہے۔ ویسے کسی زمانے میں شوہر بھی اس 'دنیا' میں شامل تھے مگر اب نہیں۔

میرے ساس، سسر حد درجہ رحم دل اور ہر ایک کا بھلا سوچتے ہیں۔ انھوں نے اپنی فطری رحم دلی سے مجبور ہو کر اپنے سب سے بڑے بیٹے کو 'باہر' بھیج دیا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو باقی بہن بھائیوں کی شادی کیسے ہوتی؟ سب کے لیے گھر کیسے بنتے؟ انھوں نے بہت اچھا سوچا۔ ان کی اس سوچ کی برکت سے گھر بھی بن گیا اور دو کے علاوہ سب کی شادی بھی ہو گئی مگر......!

مگر اس کو اب نو سال ہو چکے ہیں اور ہر دو سال میں ایک مہینے کی چھٹی پر آنے والے میرے میاں نے میرے ساتھ گویا نو سال میں چار مہینے گزارے ہیں۔ ان چار مہینوں میں بھی اگر گھنٹے گنوں تو وہ مشکل سے چھتیس گھنٹے ہوں گے، سو ہمارے درمیان اجنبیت کے پردے اسی طرح حائل ہیں۔

وہ آتے ہیں تو ان کے ہمدرد والدین کو فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ ہمارا بیٹا ادھر کتنا کام کرتا ہوگا۔ اب اسے ذہن تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سو دو مہینے کی چھٹی میں کم از کم ایک ہفتہ پوری فیملی کے ساتھ پُرفضا مقامات پر سیر کے لیے جایا جاتا ہے۔ پھر ہمارے سب رشتے دار کچھ کم ہیں کیا؟ ان کو بھی 'باہر' کی مشقت کا پُرزور احساس ہے، سو وہ سب بھی ایک ایک دن اپنے گھر دعوت رکھتے ہیں۔ یہ دعوتیں پورا مہینہ چلتی رہتی ہیں۔ وہاں سے فرصت ملے تو ان کے دوستوں کا حلقہ احباب بہت وسیع ہے!

اگر دوستوں کو وقت نہ دو تو ذو معنی جملوں اور زن مریدی کا طعنہ تیار ملتا ہے۔

اور ہاں......! گھر پر بھی تو وقت دینا ہوتا ہے ناں۔ رات کو اماں ابا سے گپ شپ لگاتے ہوئے اکثر دو ڈھائی بج جاتے ہیں، جب ان کے پاس سے اٹھتے ہیں تو بوجھل آنکھیں لیے کمرے میں آ کر سو جاتے ہیں۔

ہاں ان کی ایک بات مجھے بہت بھاتی ہے کہ وہ ہر بار واپس جاتے وقت باقیوں سے آنکھ بچا کر میرے کان میں یہ ضرور کہہ دیتے ہیں کہ میں تمھیں ضرور وہاں اپنے پاس بلا لوں گا۔

مگر مجھے بھی تو اتنا معلوم ہے کہ جو دلاسا وہ سب کے سامنے دینے کی ہمت نہیں کر پاتے، وہ اس پر عمل کی جرات بھلا کب کر سکیں گے؟!

میرا وہ بہت خیال رکھتے ہیں۔ ان کے بھیجے ہوئے ڈھیروں تحائف الماری میں جمع ہیں، مگر میں سدا کی ناشکری ٹھہری، میرے اندر کی عورت کو یہ سب ظلم لگتا ہے...... اور ظلم پر ظلم یہ کہ میں اگر اس پر بات کروں تو بے شرم قرار پاتی ہوں!

لو جی یہ بھی کوئی بات ہوئی...... دو سال ہی کی تو بات ہے...... آ جائے گا...... پھر اپنا کاروبار سیٹ کریں گے...... مگر نجانے یہ دو سال کب آئیں گے؟ نو سال تو ہو گئے ہیں ان کا انتظار کرتے کرتے...... اگر دو سالوں کا اختتام ہو بھی گیا، پھر بھی نجانے کیا ہوگا......؟

کیونکہ لوگوں کا کہنا ہے میں بہت چڑچڑی ہو گئی ہوں۔ نجانے وہ میرے ساتھ رہ پائیں گے یا نہیں! ☆☆☆